محترمہ ثریا بتول سپرا گیلانی
قسط ۲ (آخری)

اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ

خواتین کے حقوق

معاشی حقوق کسی انسانی معاشرہ میں قدر و منزلت اس کی معاشی حیثیت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جس کے پاس مال و جائیداد ہے، اس کی سبھی قدر کرتے ہیں اور جس کے پاس یہ کچھ نہیں، اس کو محکوم بنا لیا جاتا ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کے باقی تمام سماجوں اور نظاموں نے عورت کو معاشی حیثیت سے بہت کمزور رکھا اور پھر اس کی یہ معاشی کمزوری اس کی بے بسی، مظلومیت اور بے چارگی کا سبب بن گئی۔ عورت کی اسی مظلومیت کا مغربی تہذیب نے مداوا کرنا چاہا، مگر عورت کو گھر سے باہر لا کر فیکٹریوں اور اداروں میں کام پر لگا دیا۔ اس طرح اس کا گھر سے باہر نکل کر کمانا دوسری بہت سی خرابیوں کا باعث بن گیا، ان حالات میں اسلام نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے۔

۱۔ عورت کا نان نفقہ ہر حالت میں مرد کے ذمہ ہے۔ اگر بیٹی ہے تو باپ کے ذمہ، بہن ہے تو بھائی کے ذمہ، بیوی ہے تو مرد پر اس کا نفقہ واجب کر دیا گیا ہے اور اگر ماں ہے تو بیٹا اس کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ" (البقرۃ: ۲۳۶)

"خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی توفیق کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے۔"

۲۔ مہر: مرد کے لیے اس کو حق مہر ادا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا" (النساء: ۴)

"عورتوں کو ان کے حق مہر خوشی سے ادا کرو۔ اگر وہ اپنی خوشی سے اُس میں سے کچھ حصّہ تمہیں معاف کر دیں تو اس کو خوشی اور مزے سے کھاؤ۔"

۳۔ وراثت: عورت کو دیگر معاشروں کے برعکس وراثت کا حِصّہ باقاعدہ دلوایا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے: "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" (النسآء: ۱۱) کہ "مرد کو دو عورتوں کے برابر حِصّہ ملے گا"

یعنی عورت کا حِصّہ مرد سے آدھا ہے۔ اس طرح وہ باپ سے، شوہر سے اولاد سے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے باقاعدہ وراثت کی حق دار ہے۔

۴۔ مال و جائیداد کا حق: اس طرح عورت کو مہر سے اور وراثت سے جو مال ملے وہ مکمل طور پر اس کی مالک و مختار ہے، کیوں کہ اس پر معاشی ذمہ داری تو کسی کی نہیں، بلکہ وہ سب سے وصول کرتی ہے، اس لیے یہ سب اس کے پاس محفوظ رہتا ہے جب کہ مرد چاہے اس کا وراثت میں حصّہ دوگنا ہے مگر اس نے ہر حال میں عورت پر خرچ کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا نتیجتاً عورت کی مالی پوزیشن (اسلامی معاشرہ میں) اتنی مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

۵۔ پھر وہ اپنے مال کو اپنی صوابدید سے جیسے چاہے خرچ کرے۔ چاہے شوہر کو یا اولاد کو یا کسی اور کو ہبہ کر دے، چاہے فی سبیل اللّٰہ دے، چاہے اس سے مزید کاروبار کرے۔ اس کے علاوہ وہ محنت کر کے اگر از خود کچھ کمانی ہے تو اس کی مالک بھی وہی ہے۔ اور اس کا نفقہ پھر بھی بہر حال اس کے شوہر پر واجب ہے۔ اس طرح اسلام کے عطا کردہ یہ معاشی حقوق عورت کو اتنا مضبوط و مستحکم کرتے ہیں کہ اس پر مسلمان عورت جتنا بھی رب کا شکر ادا کرے کم ہے۔ جب کہ دیگر نظام ہائے حیات میں خواتین ان معاشی حقوق سے کلیتاً محروم ہیں۔

خواتین کے تمدّنی حقوق

شوہر کا انتخاب:
شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام نے عورت

کو بڑی حد تک آزادی دی ہے ۔ نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضا اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے ۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

”لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ“

(بخاری)

”شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا مشورہ حاصل نہ کر لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس کی اجازت حاصل کیے بغیر نہ کیا جائے۔“

ایک اور حدیث میں یہ بات مزید وضاحت سے بیان کی گئی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :

”اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا“ (مسلم)

”شوہر دیدہ عورت بذاتِ خود اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے گا ۔ اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔“

اگر بچپن میں کسی بچی کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا ، بالغ ہونے پر لڑکی عدم رضا کی شکل میں اس نکاح کو رد کرنے کا اختیار رکھتی ہے ۔ اس سلسلے میں باپ بھی اس بچی پر جبر نہیں کر سکتا ۔ یہ حقیقت ہے کہ والدین یا ولی اپنی عمر اور تجربہ کے لحاظ سے نوجوانوں سے بڑھ کر ہیں ، اس لیے نکاح کی گرہ ان ہی کے ہاتھ میں شریعت نے دی ہے ۔ وہ اپنے بچوں کی شادی کرتے وقت دینداری ، گھر ، قوم ، خاندان سبھی معاملات کو دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے سامنے رکھتے ہیں ، جب کہ یہ بات نوجوانوں میں نہیں ہو سکتی ۔ مگر جب ولی اور عورت (جس کے نکاح کا معاملہ زیرِ غور ہے) کی رائے میں اختلاف واقع ہو جائے تو پھر عورت ہی کی رائے قابلِ ترجیح ہوگی ۔ چنانچہ اس کی مثالیں ہمیں دورِ نبویؐ کے متعدد واقعات سے ملتی ہیں ۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ نکاح کا اولین مقصد تو سکون و اطمینان اور محبت و مودت قرار دیا گیا ہے ۔ جبر کی شکل میں عورت کو وہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا ، البتہ اگر عورت کسی ایسے شخص سے شادی کرنے پر مصر ہو جو فاسق ہے یا

اس کے خاندان کے مرتبے سے گرا ہوا ہے تو وہاں اولیاء ضرور دخل اندازی کریں گے۔

حقِ خلع ناپسندیدہ، ظالم، ناکارہ شوہر کے مقابلے میں عورت کو خلع اور فسخ نکاح کے حقوق دیے گئے ہیں۔ یہ حقوق عدالت کے ذریعے عورت کو دلائے جاتے ہیں۔

حُسنِ معاشرت کا حق :

قرآنِ پاک میں حکم دیا گیا ہے :

"وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" (النّسآء : ۱۹)

"عورتوں سے حُسنِ سلوک سے پیش آؤ"

چنانچہ شوہر کو بیوی سے حُسنِ سلوک اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے :

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ" (مشکوٰۃ باب عشرۃ النّساء)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں اور اپنے اہل وعیال سے لطف ومہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں"

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے :

"وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ" (البقرۃ : ۲۳۷)

"آپس میں فیاضی کرنا نہ بھولو"

یہ محض اخلاقی ہدایات ہی نہیں، بلکہ اگر شوہر اپنے اختیارات کے استعمال میں ظلم سے کام لے تو عورت کو قانون سے مدد لینے اور عدالت کے ذریعہ اپنے حقوق وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔

نکاحِ ثانی کا حق مطلقہ، بیوہ یا فسخ نکاح والی عورتوں کو غیر مشروط طور پر نکاح ثانی کا اختیار دیا گیا ہے۔ دراصل ایسی خواتین بے کسی کی زندگی گزار رہی ہوتی ہیں اور انسانی معاشرے میں سب سے زیادہ رحم وحُسنِ سلوک کی حق دار ہیں۔ مگر مختلف ادوار میں ان کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک ہوتا رہا ہے اور انتہائی ذلت کے ساتھ انھیں انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ اس طبقہ کے لیے اسلام نے واضح ہدایات دیں اور نکاحِ ثانی کا حق دے کر ان کو معاشرے میں ازسرِ نو عزت وتکریم عطا کی۔ ارشادِ

ربّانی ہے :

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا" (النّسآء : ١٩)

"اے ایمان والو، تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم زبردستی بیوہ عورتوں کے وارث بن جاؤ"

نیز فرمایا :

"وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ" (النّور : ٣٢)

"اور اپنے میں سے بیوہ عورتوں کے نکاح کر دو"

درحقیقت ایک بیوہ، بے سہارا یا مطلقہ عورت کے ساتھ اصل حُسنِ سلوک یہی ہے کہ اس کے لیے مناسب جوڑا تلاش کر کے اس کو حصارِ نکاح میں محفوظ کر دیا جائے ۔ اور ان کے سابقہ شوہر یا ان کے کسی رشتہ دار کو کوئی حق نہیں کہ وہ ان کو نکاحِ ثانی سے روکیں ۔ یہ وہ حق ہے جو آج تک یورپ اور امریکہ کے مہذب معاشرہ میں عورت کو نہیں مل سکا ۔ جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اس کی عملی مثالیں بھی پیش فرمائیں ۔

جان و مال کا تحفظ

اس سلسلے میں مرد اور عورت کے درمیان کامل مساوات ہے ۔ قانونی لحاظ سے عورت کے جان و مال کی قدر و قیمت مرد کے مساوی ہے ۔ جو ہاتھ بھی عورت کی طرف ظلم و تعدی کے لیے اٹھے گا ، اسلام کے قانونِ قصاص کی رُو سے کاٹ دیا جائے گا ۔ چنانچہ عورت کے عوض اس کے مرد قاتل کو بلا تامّل قتل کیا جائے گا ـــــ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر کچل کر ہلاک کر ڈالا، تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچل کر اُسے ہلاک کروا دیا ۔

عزّت و آبرو کا حق

عورت کی فطری لطافت اور نزاکت کے پیشِ نظر اسلام عورت کی آبرو کو بھرپور تحفظ دیتا ہے ۔ وہ عورت کی عفت و عصمت کو دُنیا کی گراں تر متاع قرار دیتا ہے، اور مردوں کے لیے بہرصورت اس کی عصمت کا تحفظ لازم ہے ۔ باپ، بھائی، شوہر سب اس کی عزت کے رکھوالے ہیں ۔ اور اسی لیے مرد کو عورت کا قوام بنایا گیا ہے ۔ اسی عصمت کے گہر کی حفاظت کے لیے عورت پر پردہ لازم کیا گیا

ہے، نیز مرد و عورت دونوں کو غضِ بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معاشرے میں مرد اور عورت کے غلا ملا کو روکا گیا ہے حتیٰ کہ غیر مسلم عورت کی عزت کی حفاظت کے لیے بھی تاکیدی احکام کتاب و سنت میں موجود ہیں۔

عورت کی آبرو پر حملے کی دو شکلیں ہیں، ایک قذف دوسرے زنا!

قذف سے یہ مراد ہے کہ اس پر بدچلنی اور بدکاری کا الزام لگایا جائے۔ اور یہ اسلام کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات بڑے ہلاک کر دینے والے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ اس کی سزا قرآنِ پاک میں یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ ایسے شخص کو اسّی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ کسی معاملہ میں اس کی شہادت نہ قبول کی جائے:

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (النور: ۴ - ۵)

"جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرنا وہ خود ہی فاسق ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو اس حرکت کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اللہ ان کے حق میں بخشنے والا مہربان ہے۔"

دوسرا مسئلہ زنا کا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق اگر کوئی شخص کسی عورت سے زبردستی زنا کرے تو اس کو، اگر وہ کنوارہ ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور اگر شادی شدہ ہے تو رجم کیا جائے گا۔ ہاں اگر عورت خود زنا میں بخوشی شامل تھی تو پھر وہ مذکورہ بالا سزا کی مستحق ہوگی۔

حقِ تعلیم و تربیت

انسان کی ترقی علم سے وابستہ ہے۔ علم سے بے بہرہ انسان زندگی کے میدان میں فکری و عملی ہر لحاظ سے پیچھے رہ جاتا ہے، مگر اس کے باوجود تمام قدیم جاہلی معاشروں اور نظاموں نے عورت کو تعلیم و تربیت سے مکمل طور پر محروم رکھا۔ اسلام کا عورت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے عورت کو علم کے نور سے

کسبِ فیض کرنے کی خصوصی تلقین کی اور اس کی تعلیم و تربیت کو بہت ضروری قرار دیا ـــــ
"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ" (یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے) فرما کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان عورت کے لیے بھی علم حاصل کرنا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح آپؐ سے مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں۔ عورتوں کو تعلیم دینے کے لیے آپؐ نے باقاعدہ اوقات مقرر فرما دیے تھے۔ آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ بطورِ معلمات خدمات انجام دیتی تھیں۔ خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تو علم و فضل میں بلند مقام حاصل تھا۔ خواتین کے علاوہ بڑے بڑے صحابہؓ کرام بھی ان سے قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اشراف کا معاملہ تو اہم تھا ہی، آپؐ نے تو لونڈیوں کو بھی علم و ادب سکھانے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس شخص کے پاس لونڈی ہو، وہ اس کو خوب تعلیم دے، عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے، اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔" (بخاری۔ کتاب النکاح)

کم از کم دین کی بنیادی باتوں کا جاننا اور اپنے فرائض و ذمہ داریوں سے آگاہ ہونا مرد اور عورت دونوں کے لیے لازم ہے۔ عورت اگر ان سے ناواقف ہے تو شوہر یا اُسے خود پڑھائے یا اس کا بندوبست کرے۔ اور اگر شوہر انتظام نہ کرے تو عورت خود سے سیکھنے کی کوشش کرے گی، یہ اس کا قانونی حق ہے۔ اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ گھر سے باہر حصولِ علم کے لیے جائے تو مرد پابندی نہیں لگا سکتا۔

تنقید اور احتساب کا حق

قرآنِ پاک میں مرد اور عورت دونوں کو تبلیغِ اسلام کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اصلاحِ معاشرہ کے سلسلہ میں مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجا لانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (التوبۃ: ۷۱)

"مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں۔"

بلا شبہ عورت بعض اجتماعی اور سیاسی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ ہے مگر "اُمر بالمعرُوف نہی عن المنکر" یعنی نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے روکنے میں وہ بھی مرد کی طرح مکلف ہے۔ اس میں دعوت و تبلیغ بھی شامل ہے۔ خواتین کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر دینِ اسلام سے آگاہ کرنا، اسلامی عقائد سکھانا، دینی تربیت کرنا اور پھر بعض اوقات حکومت پر تنقید و احتساب کرنا بھی اس زمرے میں شامل ہے۔ عورت اپنے حدود اور دائرہ کار میں رہتے ہوئے یہ تقاضے پُورے کرے، چنانچہ قرنِ اوّل کی خواتین نے اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کیا اور حتیّ الوسع اسے پورا کرنے کی کوشش کی۔

نسوانیت کا احترام

بلا شبہ مغربی معاشرے میں عورت کو کئی حقوق ملے۔ مگر وہ اس عورت کو نہیں ملے جو گھر میں رہ کر اپنے گھریلو فرائض انجام دے، بلکہ اس مردنما عورت کو ملے ہیں جو مردوں کی طرح تمام ذمہ داریاں انجام دے۔ اس لیے وہاں یہ عورت کی عزت نہیں ہے بلکہ مردانہ کردار اپنانے والی کی عزت ہے، اسی وجہ سے وہاں عورتوں میں احساسِ کمتری ہے، وہ مردانہ لباس پہن کر اور مردانہ ذمہ داریاں انجام دے کر خوش ہیں۔ اور تو اور ان کے نام بھی اپنے نہیں ہوتے، ساری عمر وہ مردوں کا ضمیمہ بنی رہتی ہیں۔ کنواری ہے تو مس جان، اور شادی شدہ ہے تو مسز کینڈی۔ کبھی وہ اپنے باپ کے نام سے پہچانی جاتی ہے تو کبھی شوہر کے نام سے۔ پس ثابت ہوا کہ وہاں خود عورت کی اپنی کوئی عزت نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام عورت کو مستقل بالذات حیثیت دیتا ہے۔ یہاں جو لڑکی فاطمہ ہے وہ ساری عمر فاطمہ ہی رہے گی، اسے کبھی مس اور مسز بننے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیوں کہ فاطمہ ایک مستقل شخصیت ہے، جس کی اپنی عزت اور اپنا احترام ہے ـــــ جس کا اپنا لباس ہے، اپنا دائرہ کار ہے، جس کے اپنے حقوق ہیں، اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کی اپنی انفرادیت ہے، اس کی اپنی پہچان ہے اور اس کا اپنا ایک تشخص ہے۔ اسلامی معاشرے میں تو عورت کو عورت کی حیثیت سے جو عزو شرف عطا ہوا ہے، اُسے اس پر فخر کرنا چاہیے۔ اسی لیے اسے مرد یا مرد نما بننے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے حضرت ابنِ عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورت کی

مشابہت اختیار کریں۔ اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں“ (ابوداؤد)

تجزیہ اس تمام بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا دستورِ حیات مرد و عورت دونوں کو یکساں حقوق دیتا ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”اِنَّمَا النِّسَآءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ“ (ترمذی، ابوداؤد)

کہ ”عورتیں مردوں ہی کی جنس ہیں“

اس لیے اسلامی معاشرہ میں دونوں اللہ کی فوج کے سپاہی ہیں، دونوں کو یکساں مراعات حاصل ہیں اور دونوں کا نصب العین بھی ایک ہے۔ البتہ دائرہ کار میں ضرور فرق ہے، کیونکہ دونوں کی صنفی تبدیلیاں جہاں جہاں ترمیم اور تبدیلی کا تقاضا کرتی ہیں، وہاں اسلام مردوں اور عورتوں کی ذمّہ داریوں میں ایک حدِ فاصل کھینچ دیتا ہے۔

اسلام نے اور محسنِ انسانیت نے عورت کو کیا کچھ دیا؟ اس کی وسعت، اثرات اور اس کے نتائج کو ہم سمجھ نہیں سکتے، جب تک اس کا مقابلہ دوسرے معاشروں سے نہ کر لیا جائے۔

گھریلو زندگی حقوق و فرائض کا مجموعہ ہے، مگر بعض معاشروں میں عورت کے ذمّے صرف فرائض ہی آئے، اس کا حق کچھ بھی نہیں۔ ہندو معاشرت اور قانون یہی ہے، وہاں عورت کے لیے معاشرتی و تمدنی میدان میں کوئی حصّہ نہیں، معیشت میں کوئی حصّہ نہیں ـــ ارادے، عمل اور فکر کی قطعاً آزادی نہیں! اس کے برعکس جدید مغربی عورت کو آزادی دی گئی، مگر یہ مادر پدر آزادی ہے، جو ہر اصول اور ہر قانون اور ہر نظم سے آزاد ہے۔ اب عورت ہر حیثیت سے آزاد ہے ـــ شوہر سے آزاد، بچوں سے آزاد، لباس و ستر کے احکام سے آزاد، چنانچہ خاندان کا شیرازہ ہی بکھر گیا۔ اب خاندان کا کوئی قوّام نہیں، کسی کو کسی پر فضیلت اور اقتدار نہیں، عورت کی اس بے لگام آزادی کا حال ان کے ہاں عدالتِ نکاح و طلاق اور عدالتِ جرائم و اطفال کی رپورٹوں سے مل سکتا ہے۔

بعض معاشروں نے عورت کی آبرو اور عفت کو ایک گوہرِ آبدار کی حیثیت دی، مگر ایک جاندار، ذی عقل اور ذی روح انسان کی حیثیت سے نہیں، بلکہ بے جان اور قیمتی پتھر کی طرح۔

اس لیے اس کی تعلیم و تربیت سے مکمل غفلت برتی گئی، اور عملی طور پر اس کو بے کار محض بنا دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورتوں میں اوہام پرستی حد سے بڑھ گئی، منتروں کے پیچھے بھاگنے لگیں اور ان کی علم سے محرومی سے ان کے اپنے کردار، معاشرے اور آئندہ نسلیں بُری طرح متاثر ہوئیں۔

کچھ معاشروں میں عورت اور مرد کے فطری دائرہ کار کا لحاظ رکھا گیا، اور عورت کو خاتونِ خانہ ہی کی حیثیت دی گئی، مگر اس کے تمام معاشی حقوق سلب کر لیے گئے۔ معاشی طور پر کمزور کر کے وراثت اور ملکیت سے محروم رکھ کر عملاً مرد کو آقا بنا دیا گیا۔ اور عورت کو لونڈی بنا کر رکھ دیا گیا۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ اٹھا، اس نے عورت کو معاشی آزادی دی، مگر اس طرح کہ اس کو مرد کی طرح کمانے والا فرد بنا دیا۔ اب وہ مرد ہی کی طرح معاش کے ہر میدان میں چکر کاٹتی پھرتی ہے، مگر اپنے اصل وظائف کو بھول گئی۔ گھر اور خاندان کا نظام بُری طرح پامال ہوا، اب وہاں نہ بچوں کے لیے ماں کی گود ہے، نہ شوہر کے لیے بیوی ہے، نہ بوڑھوں، ضعیفوں کی خدمت کرنے والی نوجوان اولاد ہے۔

تاریخِ عالم کا عمرانی جائزہ، تمام معاشروں اور تہذیبوں کا تنقیدی مطالعہ اور عورت کے بارے میں مختلف افکار و نظریات کا تجزیہ و تبصرہ ہمیں بہرحال اسی نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ بنی نوعِ انسان نے وحی کی روشنی سے بے نیاز ہو کر ہمیشہ ٹھوکریں کھائیں۔ انسانی قوانین ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار رہے، ایک بیماری کا علاج کیا تو دوسری لاحق ہو گئی، اس کا علاج کیا تو تیسرا فساد رونما ہو گیا۔ ہاں مگر یہ صرف اور صرف اسلام ہے جس نے عورت کے بارے میں متوازن نظریہ پیش کیا۔ جہاں عورت کا بلند مقام اور مرتبہ بھی ہے، اس کے حقوق بھی ہیں، ذمہ داریاں بھی ہیں، اس کی تعلیم و تربیت کا بھی بندوبست ہے اور اس کی عصمت اور آبرو کا بھی تحفظ ہے۔ اس کی معاشی پوزیشن بھی مضبوط ہے، خاندانی ادارہ کا اور آئندہ نسل کی شاندار تعمیرِ سیرت کا بندوبست ہے۔ غرض معاشرہ میں حسین توازن اور خوبصورت اعتدال ہے کہ اس نے معاشرہ کو فردوسِ بریں کا نمونہ بنا دیا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو یہ اس خالقِ کائنات کا قانون ہے جو خود انسان کا خالق اور اس کی فطرت کا رمز شناس ہے۔

یہ اس رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نظام ہے جو عورت کے لیے محسنِ اعظم

ہے۔ جتنا زیادہ اس نظام کی حکمتوں اور برکتوں پر غور کیا جائے، ایک ہی فرمانِ الٰہی بے ساختہ زبان پر جاری وساری ہو جاتا ہے:

"اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ" (المائدۃ: ۵۰)

"کیا یہ لوگ جاہلیت کا قانون چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بڑھ کر کس کا قانون بہتر ہو سکتا ہے؟"

ہماری دعا ہے:

"اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا"

"اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہمارے دلوں میں خوشنما اور خوبصورت بنا دے ـــــ آمین!"

(بقیہ صفحہ ۴۹ سے آگے)

سے جا ملے۔

۳ رجون ۱۹۹۵ء صبح دس بجے آپ کو شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ نمازِ جنازہ مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی نے پڑھائی۔ جنازہ میں پروفیسر ساجد میر، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا محمد یحییٰ شرق پوری، مولانا محمد علی جانباز، مولانا عطاء الرحمان اشرف، مولانا حافظ محمد امین، مولانا عبدالرحمان سلفی، اور دوسرے کئی علمائے کرام نے شرکت کی۔ جنازہ میں لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے کم نہ تھی، اور وزیرآباد کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ اس سے پہلے دیکھنے میں نہ آیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا عبدالرحمان عتیق کی لغزشوں کو معاف فرماتے ہوئے انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین

ے داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے